

خودکش حملوں کی شرعی حیثیت

اشتیاق احمد

اسلام کے افضل ترین اعمال میں سے ایک جہاد اور شہادت ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کسی عمل کے جہاد ہونے اور کسی موت کے شہادت ہونے کے لیے شریعت میں کوئی نظیر کوئی ایسی مثال موجود ہو جو اس کے لیے دلیل بن سکے۔ کیونکہ ایسی مثال کی عدم موجودگی میں وہ عمل معتبر نہ ہوگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جنگ کے طریقہ کار اور اس میں استعمال ہونے والے آلات میں ہوشربا جدت آچکی ہے جن کی مثال ماضی میں نہیں ملتی اور صورت حال یہ ہے کہ دو بدو لڑائی کی نسبت ہزاروں میل دور بیٹھ کر زیادہ پر اثر جنگ کی جاسکتی ہے۔

استشہادی کارروائیاں دورِ نبوی میں بھی معروف تھیں مگر اس زمانے کے ہتھیاروں کی مدد سے سرانجام دی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں تمام کے تمام ہتھیار ایسے تھے جن کو اپنے جسم سے دور رکھ کر کام میں لایا جاتا تھا اور دشمن پر بڑھ کر وار کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اب ہم اسلام کے اولین دور میں کی جانے والی چند استشہادی کارروائیوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور طوالت سے بچنے کے لیے ان دلائل کو نقل کرنے کے بعد ان سب پر ایک تبصرہ کریں گے۔

امام مسلم بن الحجاج اپنی کتاب میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

”حدثنا سعيد بن عمرو الاشعبي و سويد بن سعيد . واللفظ لسعيد .

اخبرنا سفيان عن عمرو : سمع جابراً يقول : قال رجل : أين أنا ، يا رسول

الله ! إن قتلت قال ” في الجنة “ فالقمت تمرات كن في يده ثم قاتل حتى

(۱) "قتل"

”ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ اگر میں مارا جاؤں تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جنت میں چنانچہ اس نے چند کھجوروں کو پھینک دیا جو اس کے ہاتھ میں تھیں پھر دشمنوں کی صف میں گھس گیا اور مرتے دم تک لڑتا رہا“

امام مسلم ہی ایک اور حدیث روایت فرماتے ہیں:

”ابی بکر بن عبداللہ بن قیس عن ابیہ قال سمعت ابی و هو بحضرة العدو يقول قال رسول الله ان ابواب الجنة تحت ظلال السيوف فقام رجل رث الهيئة فقال يا ابا موسى انت سمعت رسول الله يقول هذا قال نعم قال فرجع الى اصحابه فقال اقرأ عليكم السلام ثم كسر جفن سيفه فالتفاه ثم مشى بسيفه الى العدو فضرب به حتى قتل“ (۲)

”ابو بکر بن عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو جو دشمن کے مد مقابل کھڑے تھے یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”یقیناً جنت تلواروں کے سائے تلے ہے“ تو ایک پراگندہ حال شخص اٹھا اور کہنے لگا ابو موسیٰ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے۔ ابو موسیٰ بولے ہاں۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہنے لگا میں تم کو آخری سلام کرتا ہوں پھر اپنی نیام توڑ کر پھینک دی اور تلوار لے کر دشمن کا رخ کیا اور مرتے دم تک تلوار زنی کرتے رہے“

امام ابوالفداء اسماعیل بن کثیر اپنی کتاب میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں:

”قال ابن اسحاق : و حدثني عاصم بن عمر بن قتادة ، أن عوف بن الحارث ، وهو ابن عفراء ، قال يا رسول الله ما يضحك الرب من عبده ؟ قال ((غمسك يده في العدو حاسرا)) فنزع درعا كانت عليه فلقدها

ثم أخذ سيفه فقاتل حتى قتل“ (۳)

”ابن اسحاق نے کہا کہ بیان کیا مجھ سے عاصم بن عمر بن قتادہ نے کہ عوف بن حارث نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ کیا چیز رب کو راضی کر دیتی ہے اس کے بندے سے تو نبی ﷺ نے فرمایا ”تیرا دشمن میں ہاتھ گھسا دینا جبکہ تیرے بدن پر کچھ نہ ہو۔“ چنانچہ انہوں نے اپنی زہ اتار کر پھینک دی پھر اپنی تلوار اٹھا کر قتال کیا یہاں تک کہ قتل ہو گئے“

اسی طرح امام بخاری جنگ احد میں ابو طلحہؓ کی شجاعت کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

”عن قیس قال : رأيت يد طلحة شلا وقي بها النبي يوم احد“ (۴)

”حضرت قیس فرماتے ہیں کہ میں نے ابو طلحہؓ کے ہاتھ کو دیکھا کہ وہ شل ہے، اس ہاتھ سے احد کے دن انہوں نے آپ ﷺ کا دفاع کیا تھا“

امام قرطبی اپنی تفسیر میں اہل فارس کے خلاف واقعہ جسر کے حوالے سے ایک روایت نقل کرتے ہیں:

”أن عسكر المسلمين لما لقي الفرس نفرت خيل المسلمين من الفيلة ، فعمد رجل منهم فصنع فيلا من طين وانس به فرسه حتى الفه فلما اصبح لم ينفر فرسه من الفيل فحمل على الفيل الذي كان يقدمها فقبل له : انه قاتلك فقال : لا ضير أن اقتل و يفتح للمسلمين“ (۵)

”مسلمانوں کے لشکر کا اہل فارس سے مقابلہ ہوا تو مسلمانوں کے گھوڑے ہاتھیوں سے بدک گئے۔ چنانچہ ایک شخص نے گارے کا ہاتھی بنا کر اپنے گھوڑے سے اس کو مانوس کیا۔ چنانچہ اگلے دن اس کا گھوڑا ہاتھی سے نہ بدکا اور اس شہسوار نے ہاتھیوں کی قیادت کرنے والے ہاتھی پر حملہ کر دیا اس سے کہا گیا کہ ہاتھی تمہیں مار دے گا، تو وہ بولا: مسلمانوں کو فتح ہو جائے مجھے مرنے کی کوئی پروا نہیں۔“

اسی طرح محمد الخضری اپنی کتاب میں ایک روح پرور واقعہ بیان کرتے ہیں:

”وفی یوم الیمامہ : لما تحصن بنو حنیفة فی بستان مسیلمة الذی کان یعرف بحدیقة الرحمن أو الموت، قال البراء بن عاذب لا اصحابہ : صنعونی فی الجحفة (وہی ترس من جلد کانت توضع بہ الحجارة و تلقی علی العدو) و ألقونی الیہم فالقوه علیہم فقاتلم حتی فتح الباب المسلمین“ (۶)

”جنگ یمامہ میں جب بنوحنیفہ نے مسیلمہ کذاب کے حدیقۃ الرحمن یا حدیقۃ الموت نامی باغ میں پناہ لی تو حضرت براء بن عاذب نے اپنی ساتھیوں سے کہا کہ مجھے جھگھے میں ڈال کر ان پر پھینک دو۔ (جھگھے ایک قسم کی ڈھال تھی جس میں پتھر ڈال کر دشمن پر پھینکے جاتے تھے) پس ساتھیوں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ براء بن عاذب مسیلمہ کے ساتھیوں سے لڑتے رہے یہاں تک کہ دروازہ کھول دیا“

مذکورہ بالا بحث میں ہم نے حضرت محمد ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کے مبارک ادوار کے چند واقعات نقل کیے ہیں۔ ان تمام واقعات میں شریک افراد کے اندر ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کی خواہش کی انتہاء شہادت، اسلام اور مسلمانوں کی فتح ہے۔ ان حضرات میں سے خواہ وہ شخص ہو جس نے اپنی موت کے عوض حضرت محمد ﷺ سے اپنا اخروی ٹھکانہ پوچھا تھا۔ یا وہ شخص جس نے اپنی تلوار کی نیام توڑ دی تھی کہ دشمن سے ہاتھ کھینچنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ خواہ وہ عوف بن حارث ہوں جنہوں نے یہ جاننے کے بعد کہ رب کی رضا ننگے بدن دشمن پر حملہ کرنے میں ہے، دشمن پر حملہ کر دیا (اور ایسی سعی کا لازمی نتیجہ شہادت تھا)۔ یا براء بن عاذب ہوں جنہوں نے اپنے آپ کو دشمن سے بھرے قلعے کے اندر پھینک دینے کا کہا تھا۔ چنانچہ یہ تمام تاریخی شواہد خود حملے کے جواز پر دال ہیں۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت موجودہ زمانے سے مختلف تھی مگر مقصد اس زمانے میں بھی وہی ہے جو اس دور میں تھا۔

خود کش حملے کی ضرورت و نوعیت

ازل سے کائنات میں خیر و شر کی قوتیں ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فریقین نے ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی خاطر نئے نئے طریقہ ہائے جنگ اختیار کیے، ہتھیاروں کی نئی سے نئی اقسام ایجاد ہوئیں۔ ہتھیاروں کی یہ ایجادات ارتقائی منازل طے کرتی گئیں۔ ابتداء پتھر اور لکڑی کو لڑائیوں اور شکار کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ جبکہ دھات کی دریافت کے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور اس وقت سے ہتھیاروں کی جدید سے جدید اور تباہ کن اقسام بنانے کا ایک لامتناہی سلسلہ تاحال جاری و ساری ہے۔

جنگ میں کبھی تو دشمن پر آگے بڑھ کے حملہ کیا جاتا ہے۔ جس میں اپنے پہلے سے متعین مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ (لیکن جنگ کی یہ صورت تب پیدا ہوتی ہے جبکہ وسائل وافر ہوں) جبکہ ایک صورت مدافعتیہ جنگ کی ہوتی ہے۔ اس صورت میں وہ فریق جس پر حملہ کیا جائے اگر تو کمزور ہے اور اس کے پاس وافر وسائل نہیں ہیں تو وہ اپنے دستیاب وسائل سے مدد لے کر دشمن سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور اس کو شکست دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے حالات میں وسائل کی کمی کی وجہ سے اس کے لیے دشمن کے خلاف باقاعدہ صف بندی کر کے لڑنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ گوریلا انداز میں لڑائی شروع کرتا ہے کہ کسی ایک جگہ سے چند افراد نکلے اور دشمن پر حملہ کر کے غائب ہو گئے۔ کبھی کسی اکیلے فرد کو فدائیانہ کارروائی کے لیے متعین کیا جاتا ہے کہ آخری دم تک دشمن کو نقصان پہنچانا ہے۔ لیکن ان صورتوں میں اب کچھ جدت آپنکی ہے کہ پہلے تو ایسے ہتھیار تھے جن کو ایک شخص اپنے جسم سے دور رکھ کر کام میں لاسکتا تھا۔ لیکن بم کی ایجاد کے بعد ایک فدائی کے لیے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ اپنے جسم سے بم باندھے اور دشمن کی چھاؤنیوں، افواج کی صفوں یا عسکری کارخانوں وغیرہ میں چلا جائے اور اپنے آپ کو بھک سے اڑا دے تاکہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچے۔ یہ کارروائیاں اتنی پر اثر ہیں کہ ایک شخص انسانی بم بن کر تاریخ کے صفحات پر جرأت و شجاعت اور کامیابی کی ایسی داستان رقم

کرتا ہے جو بڑی بڑی افواج اور اسلحے کے انبار سے بھی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اس وقت اسرائیل، کشمیر، عراق اور چیچنیا وغیرہ میں مسلمان مجاہدین جو اپنی جانوں کا اپنے رب سے سودا کر چکے ہیں اپنے دین اور بھائیوں کی سر بلندی، شہادت کی طلب اور دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی خاطر ایسی کاروائیاں سرانجام دے رہے ہیں۔ کیونکہ ان جگہوں پر دشمن غاصب ہے۔

سید مودودیؒ مدافعتہ جنگ کی ضرورت کے بارے میں قرآنی احکام مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

”مسلمانوں سے جنگ کی جائے، ان پر ظلم و ستم کیا جائے، گھر بار چھینیں جائیں، حقوق سلب کیے جائیں، مذہبی آزادی کے باعث تشدد کیا جائے، محض اس لیے ستایا جائے کہ وہ مسلمان ہیں اور دشمن مسلمانوں کی سر زمین پر غلبہ کر کے ان کے اقتدار کو مٹا دے تو ان کے لیے مدافعتہ جنگ جائز ہے۔“ (۷)

ان خودکش یا استشہادی حملوں کے جواز اور عدم جواز کی بحث آئندہ صفحات میں آئیگی۔

یقینی موت کے باوجود دشمن میں گھسنے کے بارے میں علماء کی آراء

ایک مجاہد جب دشمنان دین کی صفوں میں اعلیٰ کلمۃ اللہ شہادت یا دشمن کو نقصان پہنچانے کی نیت سے گھستا ہے تو اس صورت میں کبھی تو اس کی موت یقینی ہوتی ہے اور کبھی غالب گمان ہوتا ہے اس بارے میں ذیلی بحث کے اندر چند علماء کے اقوال پیش خدمت ہیں۔

اول

امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں مندرجہ ذیل قول نقل فرماتے ہیں:

”وقال محمد بن الحسن : لو حمل رجل واحد علی الف رجل من المشرکین وهو وحده لم یکن بذلک باس اذا کان یطمع فی نجاته او نکایة فی العدو : فان لم یکن کذلک فهو مکروه لانه عرض نفسه

للتلف في غير منفعة للمسلمين . فان كان قصده تجرئة المسلمين عليهم حتى يصنعوا مثل صنعيه فلا يبعد جوازه ولا ن فيه منفعة للمسلمين على بعض الوجوه؛ وان كان قصده ارباب العدو و ليعلم صلابة المسلمين في الدين فلا يبعده جوازه واذا كان فيه نفع للمسلمين فتلفت نفسه لاعزاز الدين الله وتوهين الكفر فهو المقام الشريف الذي مدح الله به المؤمنين“ (۸)

”امام محمد بن حسن الشيباني فرماتے ہیں اگر کوئی اکیلا شخص ہزار مشرکوں پر حملہ آور ہو جائے تو اگر اس کو بچنے کی امید ہو یا دشمن کو زک پہنچانا مقصود ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو حملہ کرنا مکروہ ہوگا کیونکہ اس شخص نے مسلمانوں کے کسی فائدے کے بغیر اپنے آپ کو ضائع کر دیا اگر اس کا مقصود مسلمانوں کو جرأت دلانا ہو کہ وہ بھی اس کی طرح کریں تو اس کا جواز کوئی بعید نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں مسلمانوں کا فائدہ ہے۔ اگر اس کا مقصد دشمن کو دہشت زدہ کرنا ہو اور دین پر مسلمانوں کی پختگی کا اظہار کرنا ہو تو بھی اس کا جواز بعید نہیں اگر اس کی جان کی قربانی میں مسلمانوں کو کوئی فائدہ ہو تو اس کی جان دین کی عزت اور کفر کی تذلیل کے لیے استعمال ہوئی اور یہ وہ اعلیٰ مقام ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی تعریف کی ہے۔“

دوم

ابو بکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”التھلکۃ کے بارے میں پانچ اقوال ہیں:

۱۔ گھر میں نفقہ نہ چھوڑنا ۲۔ بغیر ز اور اہ نہ نکلنا ۳۔ جہاد کو نہ چھوڑو

۴۔ ایسے جتھے پر حملہ نہ کرنا جس کے مقابلے کی طاقت نہیں ۵۔ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔

طبری کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں جبکہ ابن العربی چوتھے قول کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں

کہ مالکی علماء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں قوت ہو اور نیت خالص ہو۔ جبکہ ابن العربی کے نزدیک مقابلے کی طاقت نہ رکھنے والے کے لیے بھی دشمن پر حملہ درست ہے کیونکہ اس کی چار شکلیں ہو سکتی ہیں۔

- ۱۔ شہادت کی طلب
- ۲۔ دشمن کی شکست
- ۳۔ مسلمانوں کا حوصلہ بلند کرنا
- ۴۔ دشمن کو نفسیاتی طور پر کمزور کرنا۔ (۹)

سوم

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

امام مسلم نے اصحاب اُحد و کعبہ آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے۔ اس قصے میں ہے کہ اس لڑکے نے دین کے غلبے کی مصلحت کے لیے اپنے آپ کو قتل کرنے کا کہا۔ اس لیے چاروں آئمہ نے، اگر مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہو تو قتل ہو جانے کے گمان غالب کے باوجود ایک مسلمان کے کافروں کی صفوں میں اکیلے گھس جانے کو جائز قرار دیا ہے۔ پس جب ایک شخص کے لیے جہاد کی مصلحت کے لیے ایسا کام کرنا جائز ہے جس میں اسے موت کا یقین ہے حالانکہ اس شخص کا اپنے آپ کو موت کے حوالے کرنا دوسروں کو قتل کرنے سے زیادہ بڑی بات ہے۔ تو جب جہاد کی مصلحت کے لیے مسلمانوں کے لیے ایسا کام کرنا جائز ہے جس میں اس کی جان جانے کا یقین ہے تو ایسا کام کرنا جائز ہوگا جو دین کی اس مصلحت کے لیے ہو جس کے بغیر وہ مصلحت حاصل نہ ہو سکتی ہو۔ (۱۰)

چہارم

خطیب شربی فرماتے ہیں:

”والان بان لم يمكن أهل البلدة التأهب لقتال بان هجم الكفار عليهم بغتة، فمن قصد من المكلفين ولو عبداً أو امرأة أو مريضاً أو نحوه دفع عن نفسه الكفار بالممكن له إن علم أنه إن اخذ قتل و إن جوز المكلف لنفسه الأسر: كان الامر يحتمل الخلاف، هذا ان علم انه إن امتنع من

الاستسلام قتل والا امتنع علیہ استسلام“ (۱۱)

”اگر اچانک حملے کی وجہ سے شہر والوں کے لیے جہاد کی تیاری ممکن نہ ہو تو جس بالغ شخص پر حملہ کیا جائے خواہ وہ غلام ہو، عورت ہو، بیمار ہو یا کوئی اور اسے معلوم ہو جائے کہ اگر وہ پکڑا جائے گا تو قتل کر دیا جائے گا تو ہر ممکن طریقے سے کفار سے اپنا دفاع کرے اور اگر کوئی بالغ شخص قید ہو جائے تو اپنے لیے جائز قرار دے گا تو اس میں اختلاف کا احتمال ہے کہ اگر اسے معلوم ہو کہ ہتھیار نہ ڈالوں تو قتل کر دیا جاؤں گا تو ہتھیار ڈالنا جائز ہوگا ورنہ ہتھیار ڈالنا جائز نہ ہوگا“

پنجم

ابن عابدین فرماتے ہیں:

”لا باس أن يحمل الرجل وحده و ان ظن انه يقتل اذا كان يصنع شيئا
بقتل أو بجرح ويهزم ، فقد نقل ذلك عن جماعة من الصحابة بين يدي
رسول الله ﷺ يوم أحد ☆ و مدحهم على ذلك ، فاما ان علم انه لا
ينكى فيهم فانه لا يحل له أن يحمل عليهم ، لانه لا يحصل بحمله عليهم
شيء من اعزاز الدين“ (۱۲)

”اگر کوئی آدمی دشمن کو قتل کر سکتا ہو اس کو زخم لگا سکتا ہو یا ٹکست دے سکتا ہو تو اس کے لیے اکیلے دشمن پر حملہ آور ہو جانے میں بھی کوئی بات نہیں اگرچہ اسے اپنے مارے جانے کا گمان ہو کیونکہ یہ عمل کئی صحابہؓ نے احد کے دن آپ ﷺ کے سامنے نقل کیا جبکہ آپ ﷺ نے ان کی تعریف کی ہے اگر حملہ آور کو معلوم ہو کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تو اس کے لیے حملہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کے حملے سے دین کے غلبے کا کوئی کام نہیں ہو سکتا“

مذکورہ بالا اقوال کو دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر حملہ آور کی نیت خالص ہو اور وہ دشمن کو زخم پہنچانے کی خاطر دشمن پر حملہ کرے تو اس کا یہ عمل جائز ہی نہیں بلکہ ممدوح ہوگا۔ استشہادی

حملوں میں جان کی قربانی اس طریقے پر دی جاتی ہے کہ دشمن کو ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جائے۔ کیونکہ کوئی بھی شخص اگر یہ سمجھتا ہے کہ کسی اور طریقے سے دشمن کو استشہادی حملے کے برابر یا اس کے قریب قریب نقصان پہنچا سکتا ہے تو وہ استشہادی حملے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو استشہادی حملے جب خلوص نیت کے ساتھ ہوں تو جائز ہیں۔ اگر نیت دنیوی ہوگی تو خواہ وہ قتل کا سبب بنے یا براہ راست قتل ہو اس کی اجازت نہ ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص ٹرین کی پٹری پر لیٹ جائے، زہر کھالے، اپنے آپ کو گولی مار دے یا کسی کو اپنے آپ کو مارنے کا کہے وغیرہ۔ کیونکہ کسی عمل کی صحت اس کی نیت کے ساتھ مشروط ہے اور آخرت میں ہر شخص کو وہی ملے گا جس کا وہ ارادہ کرے گا۔

خودکش حملوں کے جواز کے بارے میں اشکالات

عصر حاضر میں کئے جانے والے خودکش یا استشہادی حملوں کے جواز کے بارے میں عموماً عامۃ الناس کے ذہنوں میں کئی اشکالات وارد ہوتے ہیں۔ ان اشکالات میں سے دو اہم ترین اشکالات یا اعتراضات کا ہم مندرجہ ذیل بحث میں جائزہ لیں گے:-

اول

خودکش حملہ آورد دشمن کے ہاتھ سے نہیں مرتا بلکہ اپنے آپ کو اپنے عمل سے قتل کرتا ہے لہذا یہ عمل خودکشی ہے۔

دوم

ان کارروائیوں میں ایسے لوگ بھی قتل ہوتے ہیں جن کے قتل کی شریعت اجازت نہیں دیتی مثلاً وہ لوگ جو قتال نہیں کرتے جیسے شہری بچے اور عورتیں وغیرہ۔

اشکالات کا جواب

ان اشکالات کے جواب کے سلسلے میں ہم اپنی بحث کا آغاز خودکشی کے لغوی و اصطلاحی

معانی سے کریں گے اس کے بعد اس کے حکم اور متعلقات پر بات ہوگی۔ بحث کے دوران قرآنی آیات کا مفہوم اور اس بارے میں علماء کی آراء کا تذکرہ بھی کریں گے اور احادیث سے بھی رہنمائی حاصل کریں گے۔

خودکشی کے لغوی معنی

مجدالدین فیروز آبادی خودکشی کے معنی مندرجہ ذیل لکھتے ہیں:

"قتل النفس و منه انتحر الرجل: ای قتل نفسه" (۱۳)

”آدمی کا اپنے آپ کو قتل کر ڈالنا“

ابن منظور بھی خودکشی کے یہی معنی کرتے ہیں

"انتحر الرجل ای نجر نفسه" (۱۴)

”اس نے اپنی جان کو ذبح کر لیا“

خودکشی کی اصطلاحی تعریف

شریعت اسلامیہ میں خودکشی کی تعریف اور اس کا حکم جاننے سے قبل بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وہ تعریف دیکھ لیں جو مغربی مفکرین کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سلسلے میں اصل پروپیگنڈہ انہی کی طرف سے جاری ہے۔

Emile Durkheim Says:

"The term suicide is applied to all cases of death resulting directly or indirectly from a positive or negative act of the victim himself, which he knows will produce this result." (15)

"خودکشی کی اصطلاح کا اطلاق موت کی ان تمام صورتوں پر ہوتا ہے جو کسی شخص کے اپنے مثبت یا منفی بالواسطہ یا بلاواسطہ عمل کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور اس عمل کے بارے میں وہ جانتا ہو کہ یہ یہی نتیجہ فراہم کرے گا۔"

ابو عبد اللہ القرطبی خودکشی کی شرعی تعریف کرتے ہیں:

"هو ان يقتل الا نسان نفسه بقصد منه للقتل في الحرص على الدنيا و طلب المال، او قتل النفس في غضب او ضجر" (۱۶)

"کسی انسان کا دنیا کے لالچ اور مال کی طلب میں اپنے ارادے سے اپنے آپ کو مار ڈالنا یا غصے اور تنگی کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کرنا"

ان دونوں تعریفات کے اندر صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ خودکشی کا ارتکاب کرنے والا شخص اپنے عمل سے ایسا کرتا ہے اور اس کا ایسا کرنا اپنی نفسانی خواہشات سے مغلوب ہونے کا مظہر ہے۔ اس عمل سے اس کا مقصد قطعاً یہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے دین اور اپنے وطن کی آزادی اپنے دوستوں اور بھائیوں کی ناموس کی حفاظت کے لیے ایسا کر رہا ہے، اور اس کا محرک دین نہیں بلکہ حرص، طمع، لالچ، غصہ، سیاست یا اللہ کی رحمت بے پایاں سے مایوسی ہے۔ یعنی خودکشی کا مطلب ہے اپنے آپ کو کسی ایسے دنیوی کام پر مجبور کرنا جو جان کی ہلاکت کا باعث بنے۔

خودکشی کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ولا تقتلوا انفسکم﴾ (۱۷)

سید مودودی ان الفاظ کا ترجمہ اور تفسیر مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"ا، اپنے آپ کو قتل نہ کرو"

یہ فقرہ پچھلے فقرے کا تترہ بھی ہو سکتا ہے اور خود ایک مستقل فقرہ بھی۔ اگر پچھلے فقرے کا تترہ سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کا مال ناجائز طور پر کھانا خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ دنیا میں اس سے نظام تمدن خراب ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اگر مستقل فقرہ سمجھا جائے تو اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو دوسرے یہ کہ خود کشی نہ کرو۔ (۱۸)

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

مفسرین اس پر متفق ہیں کہ اس سے مراد لوگوں کو ایک دوسرے کے قتل سے منع کرنا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے ارادے، دنیا کے لالچ اور طلب مال میں اپنے آپ کو قتل کرتا ہے یا ایسے نقصان میں ڈال دیتا ہے جو ہلاکت کا سبب ہے تو یہ معنی بھی اس آیت کو شامل ہیں۔ یہ ممانعت بھی ہے کہ تنگی اور غصے کی حالت میں اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ (۱۹)

مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں:

"اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، اس میں باتفاق مفسرین خود کشی بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ ایک، دوسرے کو ناحق قتل کرے" (۲۰)

امام بخاری ایک حدیث روایت فرماتے ہیں:

"كان فيمن كان قبلكم رجل به جرح، فجزع فاخذ سكيناً فجز به ايداه
فما رقا الدم حتى مات قال الله تعالى: بادرنى عبدى بنفسه حرمت عليه
الجنة" (۲۱)

"تم سے پہلے لوگوں میں ایک زخمی شخص تھا۔ وہ درد برداشت نہ کر سکا چنانچہ چھری لے کر اپنا ہاتھ کاٹ دیا اس کے زخم سے خون جاری ہو گیا اور اس کا خون نہ رک سکا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اللہ نے فرمایا میرے بندے نے اپنا آپ مجھ سے آگے لے جانے کی کوشش کی۔

میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔"

ایک متفق علیہ حدیث ہے ذیل میں ہم بخاری کے الفاظ نقل کریں گے۔

"ومن قتل نفسہ بشی عذب بہ فی نار جہنم" (۲۲)

"جو اپنی جان کو کسی چیز سے قتل کرے گا دوزخ کی آگ میں اس کو اسی سے عذاب دیا جائے گا۔"

مذکورہ بالا دلائل خودکشی کی حرمت پر دلالت کر رہے ہیں حضرت جناب کی حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہے کہ قتل کا سبب دنیوی مصیبت پر بے صبری ہے جس کی وجہ سے اس پر جنت حرام کر دی گئی۔ اس طرح وہ واقعہ بھی اسی قبیل میں ہے کہ ایک شخص نے جنگ میں خوب شجاعت دکھائی مگر زخموں کی تکلیف برداشت نہ کر سکا اور اپنی جان ختم کر لی۔ پھر نبی ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخی ہے۔ چنانچہ ان تمام حالتوں میں دنیوی مصیبتوں سے چھٹکارا پا کر راحت حاصل کرنا مقصد ہے نہ کہ اعلائے کلمۃ اللہ یا دشمن دین کا نقصان۔

لہذا امام قرطبی خودکشی کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے اپنی جان کا ضائع کرنا جائز نہیں خواہ وہ ایسا دنیا کی طلب یا کسی مصیبت سے دلبرداشتہ ہو کر یا کسی مرض کی وجہ سے خواہ وہ مرض قابل علاج ہو یا نہ ہو یا کسی آفت کی وجہ سے خواہ وہ آفت قدرتی ہو یا کسی معرکے میں دشمن کی جانب سے لاحق ہو گئی ہو مثلاً گرفتار ہو گیا یا دنیا کے کسی اور کام کے سبب مثلاً تجارت میں نقصان ہو گیا کوئی دوست داغ مفارقت دے گیا یا پڑھائی میں ناکامی کا سامنا ہو اور غیرہ وغیرہ بلکہ ایسا کرنے والا اگر اس قتل کو حلال نہ سمجھنے کے باوجود کرے تو کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا اور اگر حلال سمجھ کر کرے تو دائرہ اسلام سے خارج ہو

جائے گا۔ (۲۳)

چنانچہ اس تمام بحث کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص زندگی سے مایوس ہو کر اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر یا میدان جنگ کے کسی زخم کے سبب یا کسی لاعلاج مرض وغیرہ کے سبب اپنی زندگی کا خاتمہ کرے گا تو یہ ناجائز ہوگا۔ علماء نے اس شخص کے لیے خودکشی کو جائز رکھا ہے جس کے پاس کوئی ایسا راز یا معلومات ہوں جو دشمن کے ہاتھ لگنے سے اسلام یا مسلمانوں کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔ چنانچہ مذکورہ بحث کے بعد یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ برصغیر کی تقسیم کے وقت ہندوؤں اور سکھوں سے اپنی عزت و ناموس اور دین کی حفاظت کی خاطر جن عورتوں نے اپنی جانوں کو ختم کر لیا ان کا یہ اقدام بھی جائز تھا۔

التھلکة کا مفہوم

ارشاد باری ہے: ﴿وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا باید کم الی التھلکة﴾ (۲۴)

"اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو"

اس آیت کے بارے میں مفسرین کی آراء جاننے سے قبل بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے اسباب نزول کے متعلق ان اقوال کو دیکھ لیا جائے جو امام واحدی نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔

شعبی کی روایت ہے کہ انصار نے اپنے آپ کو انفاق فی سبیل اللہ سے روکا تو یہ آیت نازل ہوئی، مگر مکہ کی روایت میں مطلقاً یہ ہے کہ یہ اللہ کے راستے میں نفقات کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ ابی جبر نے کہا کہ انصار صدقہ کرتے تھے اور کھلاتے تھے پھر ایک سال ان کو قحط لاحق ہوا تو انہوں نے اپنے آپ کو روکا چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ نعمان بن بشیر کا قول ہے کہ کسی آدمی نے گناہ کیا پھر یہ کہا کہ میرے لیے کوئی مغفرت نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حکم بن عمران کی روایت ہے کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے وہاں مصریوں کی قیادت عقبہ بن عامر جہنی اور اہل شام کی قیادت فضالہ بن عبید کر رہے تھے۔ پھر شہر سے رومیوں کی ایک بڑی فوج نکلی ہم نے بھی اس کے لیے مسلمانوں میں سے ایک بڑی فوج بھیجی پھر

ایک شخص مسلمانوں میں سے رومیوں کی صفوں میں داخل ہو گیا تو لوگ چیخے کہ سبحان اللہ یہ تو اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے تو ابو ایوب انصاریؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں سے کہا کہ تم اس آیت کی غلط تفسیر کر رہے ہو۔ یہ آیت ہم انصاریوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اللہ نے اپنے دین کو غلبہ عطا کیا اور اس کے مددگاروں کو بڑھا دیا پھر ہم نے آپس میں دھیرے دھیرے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارے مال ضائع ہو چکے ہیں تو اگر ہم ان کی اصلاح کے لیے رک جائیں کہ وہ ضائع نہ ہوں۔ چنانچہ اللہ نے اپنی کتاب میں ہمارے رد کے طور پر یہ آیت اتاری۔ (۲۵)

امام قرطبیؒ نے التھلکتہ کے معنی بیان کرتے ہوئے صحابہ و تابعین کے اقوال نقل کیے ہیں۔ کہ جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کو چھوڑ کر مال کے ساتھ مصروف ہو جانا ہلاکت ہے اور سدی کا قول ہے کہ "اگر ایک رسی بھی خرچ کر سکتے ہو تو کر ڈالو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو کہ یوں کہو کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ (۲۶)

علامہ شوکانیؒ نے ایک روایت اپنی تفسیر میں نقل کی ہے جس میں التھلکتہ کے معنی بخل (یعنی کنجوسی) کے لیے گئے ہیں۔ (۲۷)

سید مودودیؒ فرماتے ہیں:

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد اللہ کے دین کو قائم کرنے کی سعی و جہد میں مالی قربانیاں کرنا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم خدا کے دین کو سر بلند کرنے کے لیے اپنا مال خرچ نہ کرو گے اور اس کے مقابلے میں اپنے مفاد عزیز رکھو گے تو یہ تمہارے لیے دنیا میں بھی موجب ہلاکت ہوگا اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تم کفار سے مغلوب ہو کر رہو گے اور آخرت میں تم سے سخت باز پرس ہوگی۔ (۲۸)

مذکورہ بحث میں قدیم و جدید علماء کی آراء کو جاننے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اصل ہلاکت اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے رکنا ہے چاہے کوئی اپنا مال خرچ کرے

یا اپنی جان کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔ اور ایک مجاہد یا خود کش حملہ آور اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جان کو اس کی راہ میں کرج کر دیتا ہے، بیچ ڈالتا ہے اور اس کے عوض اس کی رضا اور جنت حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ ہمارا ہر وہ عمل جو دین کے غلبے میں رکاوٹ بنے وہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اور کسی حملہ آور کو معلوم ہو کہ اس کے حملے میں اس کی اپنی جان ہی جائے گی دشمن کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا تو یہ عمل ہلاکت ہوگا۔ لہذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ زندگی کی محبت اور ایسی بزدلی جو دین اور امت کے دشمنوں کو اکٹھا کر دے ہلاکت ہے۔ اور ہمارے دین میں تو موت کا پیچھا کرنے سے دائمی زندگی ملتی ہے۔

نہتے شہریوں کے مارے جانے کے اشکال کی تحقیق

جب اسلام نازل ہوا تو عربوں کے ساتھ ساتھ اس دور کی متمدن قوموں روم و ایران کے ہاں بھی مقاتلین اور غیر مقاتلین کا امتیاز موجود نہ تھا۔ یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اسلام نے جنگ میں کسی بھی قسم کا حصہ نہ لینے والے افراد کے قتل سے نہ صرف منع فرمایا ہے بلکہ ان کی حفاظت کے قوانین بھی بنائے ہیں۔ لیکن عصر حاضر میں عالمی امن کے ٹھیکیداروں اور دنیا کو نام نہاد آزادی دلوانے کے علمبرداروں نے میدان جنگ کی بجائے شہری آبادیوں کو ہلڈو ز کرنے اور ان پر بمباری کر کے نہتے شہریوں کے قتل میں تاریخ رقم کر دی ہے۔ ذیلی بحث میں ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف چند ایک دلائل نقل کریں گے اور وہ صورتیں بھی واضح کریں گے جن میں عام شہری کا قتل مباح ہو جاتا ہے۔ حضرت سلمان بن بردہؓ سے روایت ہے کہ جب کبھی رسول اللہ ﷺ کوئی سر یہ بھیجتے تو حکم دیتے:

"اغزو اباسم الله في سبيل الله ، قاتلوا من كفر بالله ، اغزوا ، ولا تغلوا ولا

تمثلوا ، ولا تقتلوا اوليادا....." (۲۹)

"اللہ کا نام لے کر اس کی راہ میں لڑو، جو اللہ کا انکار کرے اس سے لڑو، لڑو اور عیلمت میں

خیانت نہ کرو اور مشلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو"

ابن عمرؓ سے روایت ہے:

"ان امرا وجدت فی بعض مغازی رسول الله صلی الله علیه وسلم مقتولة

فانکر رسول الله صلی الله علیه واله وسلم قتل النساء والصبيان." (۳۰)

آنحضرت ﷺ کی ایک جنگ میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔

اہل حرب میں سے بعض گروہوں کی حفاظت کے بارے میں وارد احادیث کی ایک کثیر تعداد

میں سے یہ چند ایک روایات ہیں۔

امام نوویؒ ابن عمرؓ سے مروی روایت کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

اس حدیث پر عمل اور جب تک خود نہ لڑیں عورتوں اور بچوں کی حرمت پر علماء کا اختلاف ہے

اگر لڑیں تو جمہور کے ہاں وہ بھی قتل کئے جائیں گے۔ (۳۱)

مندرجہ بالا بحث میں مذکورہ احادیث میں عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے پھر امام

نوویؒ نے تشریحاً فرمایا ہے کہ اگر وہ لڑیں تو قتل کیے جائیں گے۔ لہذا اسلام نے بے ضرر شہریوں کے قتل

سے منع فرمایا ہے۔ خواہ وہ عورتیں اور بچے ہوں یا بوڑھے اور بیمار ہوں۔

وہ صورت جس میں شہریوں کا قتل مباح ہے

اگر ایسے شہری ہوں کہ وہ براہ راست تو جنگ میں حصہ نہ لیں مگر مادی یا معنوی طور پر یا جنگ

میں مشورہ میں مدد دیں یا عورتیں ہوں کے وہ کوئی ایسا کام کریں کہ اس میں مشغول ہو کر مسلمانوں کے

غافل ہونے کا اندیشہ ہو یا ان عورتوں کا یہ کام دشمن کو جنگ پر ابھارنے جیسا کہ اکثر زمانہ جاہلیت اور

اسلام کے ابتدائی دور میں ہوتا تھا کہ عورتیں اپنے مردوں کو جنگ سے فرار ہونے سے روکنے کے لیے

طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتی تھیں۔ ہم یہاں صرف چند ایک احادیث سے استدلال کریں

گے اور بحث کو مکمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

ابوداؤد و ترمذی میں مکرمہ سے روایت کرتے ہیں :

"ان النبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مر با مرآة یوم حنین ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم (من قتل ہذہ؟) فقال رجل : انا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم غنمتها و اردفتها خلفی ، فلما رات الہزیمۃ فینا اہوت الی قائم سیفی لتقتلنی فقتلتها ، فلم ینکر علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم" (۳۲)

”نبی ﷺ کا حنین کے دن ایک عورت پر گزر ہوا۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے؟ ایک شخص نے جواب دیا اللہ کے رسول ﷺ میں نے اس کو غنیمت میں پایا اور اپنے پیچھے سوار کیا۔ جب اس نے ہماری شکست دیکھی تو مجھے مارنے کے لیے میری تلوار کے دستے کی جانب لپکی۔ چنانچہ میں نے اس کو قتل کر دیا تو رسول اللہ نے اس عمل کو برائہ جانا۔“

ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے:

"لما فرغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حنین بعث ابا عامر علی جیش الی او طاس ، فلقی درید بن الصمۃ ، فقتل درید و ہزم اللہ اصحابہ... (۳۳)

"جب نبی ﷺ حنین سے فارغ ہوئے تو ایک لشکر دے کر ابو عامر کو او طاس کی جانب بھیجا جن کا درید بن صمہ سے آمنہ سامنا ہوا اور وہ مارا گیا اور اللہ نے اسکے ساتھیوں کو شکست دی"

مذکورہ احادیث میں ان صورتوں اور اسباب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کی وجہ سے ان

شہریوں کا قتل مباح ہو جاتا ہے نبی ﷺ نے اس عورت کے قتل کے بارے میں استفسار اس کے قتل کے ممنوع ہونے کی وجہ سے کیا تھا مگر جب قاتل نے وجہ بتائی تو آپ ﷺ نے نکیر نہ فرمائی۔ درید بن صمہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ تقریباً ایک سو ساٹھ سال کا تھا۔ خود تو لڑنے کی سکت نہ رکھتا تھا مگر جنگ میں مشورے دیتا تھا اور ان کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے قتل پر بھی نکیر نہیں فرمائی۔ پھر ایک صورت اور بھی ہے کہ اگر کفار ایسے لوگوں کو اپنے بچاؤ کے لیے ڈھال بنالیں تو بھی ان کا قتل جائز ہے۔ اگر ہم اسرائیل کا جائزہ لیں تو یہ وہ واحد ملک ہے جس میں عورتوں پر جنگی تربیت لازمی ہے اور اٹھارہ سال کے بعد عورتوں کے لیے سال میں ایک مہینہ فوجی تربیت لازمی ہے تاکہ وقت پڑنے پر ان کو فوج میں شامل کیا جاسکے۔ رہے اسرائیل کے بوڑھے اور کسان، تو وہ زبردستی مسلمانوں کے علاقے پر قابض ہیں۔ اس طرح اسرائیل کا معاشرہ پورا ایک عسکری معاشرہ ہے لیکن پھر بھی قصداً ان شہریوں کے قتل سے پرہیز کیا جائے گا اگر زد میں آجائیں تو ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔

خود کش حملوں کے بارے میں عصر حاضر کے چند علماء کی آراء

شریعت میں خود کش حملوں کی نظیر کی تلاش میں ہم اس سے پیشتر دور نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے ادوار کے چند واقعات اور سلف صالحین کی آراء کا جائزہ لے چکے ہیں۔ لہذا آئندہ صفحات میں ہم موجودہ زمانے کے ان اہل علم حضرات کی آراء کو نقل کریں گے جنہوں نے ان استشہادی حملوں کی موجودہ صورت کو دیکھتے ہوئے ماخذ شریعت کے مطالعے کے بعد اپنی آراء مرتب کی ہیں۔ ذیلی بحث میں کہیں تو یہ آراء ان علماء کی کتب سے لی گئی ہوں گی اور کہیں ان سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات میں جو فتوؤں کی صورت میں ہیں ان سے استفادہ کریں گے۔ سوالات اور دلائل کے تکرار کی وجہ سے بے مقصد طوالت سے بچنے کے لیے ہم صرف اپنے الفاظ میں ان کی آراء کا تذکرہ کریں گے۔ ان آراء میں سے کچھ علماء کی آراء عدم جواز اور کچھ کی جواز پر مشتمل ہیں۔ ابتداً ہم عدم جواز کی آراء کو نقل کر کے ان پر تبصرہ کریں گے۔

عدم جواز کی آراء

شیخ حسن ایوب کی رائے

جو شخص دین اور مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر موت کو گلے لگالے تو اس نے اپنی جان اپنے دین اور بھائیوں کی خاطر قربان کر دی اور یہ قربانی کا سب سے اعلیٰ اور ارفع درجہ ہے۔ اور اسلام کے اولین دور کے کتنے ہی واقعات اس بات کے شاہد ہیں اور علماء نے ان سب کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی فدائی دشمن کا جہاز غرق کرتا ہے، کسی ہوٹل، چھاؤنی، حربی کارخانے یا کسی عسکری عمارت کو تباہ کرتا ہے جس میں وہ خود بھی موجود ہے اور اس کو معلوم ہے کہ بچنے کی کوئی صورت نہیں تو یہ جائز ہے لیکن بارود بھرا بیٹ باندھ کر دوسرے لوگوں سمیت اپنے آپ کو اڑا دینا جائز نہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں وہ خود ضامن قتل ہو رہا ہے اور اس میں جان بچ سکتی جبکہ دوسری صورت میں وہ خود اپنے آپ کو پہلے قتل کر رہا ہے ہو سکتا ہے وہ دوسرے کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ (۳۴)

شیخ حسن ایوب جس طرح ممکنات کی بات کر رہے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اپنے آپ کو دھماکے سے اڑانے میں وہ خود تو موت سے ہمکنار ہو جائے مگر دشمن بچ جائے تو ایسا تو اس وقت بھی ہو سکتا ہے جب دشمن کے کسی جہاز کو غرق کرنے یا چھاؤنی کو تباہ کرنے کے لیے کوئی دھماکہ کرے کہ وہ جہاز بھی غرق نہ ہو یا چھاؤنی تباہ نہ ہو اور وہ ختم ہو جائے۔ جبکہ ان کارروائیوں کے بارے میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اس سے دشمن کو اتنا زیادہ نقصان پہنچایا جاسکتا ہے جو کسی اور طریقے سے اکیلا شخص نہیں پہنچا سکتا۔ جب قصاص کی سزا دو گواہوں اور زانی کی سزا چار گواہوں پر موقوف ہے تو ان گواہوں سے گمان غالب سچی حاصل ہوتا ہے جبکہ ان حملوں میں بھی گمان غالب پایا جاتا ہے (یعنی دشمن کو نقصان پہنچنے کا گمان) لہذا یہ حملے جائز ہیں۔

شیخ ناصر الدین البانی کی رائے

آج کل جو خود کش حملے ہو رہے ہیں وہ جائز بھی ہیں اور جائز نہیں بھی۔ اس متضاد قول کی تفصیل یہ ہے اگر اسلامی نظام کے ہوتے ہوئے اسلامی جہاد ہو اور خلیفہ یا امیر کے حکم سے

کوئی مجاہد ایسا حملہ کرے تو وہ جائز ہے اور اگر کوئی شخص خود رائی سے ایسا کر گزرے اور چند لوگوں کو مارنے کے لیے اپنی جان ختم کر دے تو یہ جائز نہیں ہے۔ مزید فرمایا کہ آج کل جو بھی لشکر جہاد کر رہے ہیں یہ جہاد نہیں ہے۔ (۳۵)

شیخ صاحب ان حملوں کو اصلاً جائز قرار دیتے ہیں مگر جہاد سے مشروط قرار دیتے ہیں اور اس صورت میں اس کے خودکشی ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ جہاں تک امیر کے حکم کا تعلق ہے تو وہ مباح امور سے ہے حرام امور سے نہیں کیونکہ حدیث میں اللہ کی نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے۔ پھر وہ روایت بھی ہے جس میں کسی امیر نے طیش میں آ کر اپنے ماتحتوں سے لکڑیاں جمع کرنے کو کہا اور اپنی اطاعت کا حکم یاد دلا کر اس میں کو د جانے کا حکم دیا۔ لیکن ان لوگوں نے ایسا نہ کیا تو نبی ﷺ نے ان کے اس عمل کو سراہا تھا۔ خلیفہ وقت کی موجودگی کی شرط کی وضاحت حضرت ابو بصیرؓ کے واقعے سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم اور اجازت لیے بغیر دشمن پر حملے کئے اور نبی اکرم ﷺ نے ان کے اس فعل پر نکیر نہ فرمائی۔ چنانچہ جہاد خلیفہ کے وجود کا سبب بن سکتا ہے اگر ہم ان دونوں کو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم قرار دیں تو مقصود حاصل نہ ہو سکے گا۔

جواز سے متعلق آراء

ذیلی بحث میں ہم نواف ہائل تکروری کی کتاب سے کچھ علماء کی آراء نقل کریں گے۔

اُردن کے چند علماء کا فتویٰ

استشہادی حملہ جائز اور جہاد ہے۔ ایسا کرنے والا مجاہدین کے اجر کا مستحق ہوگا اور اگر مارا جائے تو اللہ کے ہاں شہیدوں کا مرتبہ پائے گا یہ کارروائی ہلاکت نہیں ہے جیسے کہ ہمارے زمانے میں بعض جہلاء کہہ رہے ہیں جبکہ خودکشی اللہ کی رحمت سے مایوسی اس کے فیصلے پر عدم اطمینان اور آزمائش پر بے صبری پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ وہ شخص بھی اسی قبیل سے ہے جس نے زخم کی تکلیف سے دل برداشتہ ہو کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا۔

ازہر علماء مجاز کا فتویٰ

شریعت اپنے حق کی خاطر مرنے والے اور اللہ کی رحمت سے مایوسی اپنے رب سے ناامیدی اور زندگی سے نفرت کے سبب مرنے والے میں فرق کرتی ہے۔ ان میں پہلا شخص آنحضرت ﷺ کے فرمان (جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے) کے مطابق شہید اور دوسرا خودکش ہے۔ اس فتوے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب تک غاصب اپنے غصب پر قائم رہے اس کی جان اور خون کا کوئی احترام نہیں۔ یہودی، شہری اور لڑنے والے میں کوئی فرق نہیں کرتے اس لیے وہ سب اہل حرب ہیں۔

پروفیسر محمد الزحیلی کا فتویٰ

جب جنگ کا اعلان کر دیا جائے یا دشمن چڑھائی کر دے تو جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ فلسطین میں یہودیوں نے ملک پر قبضہ کیا، مالوں، جانوں اور عزتوں کو پامال کیا۔ مردوں اور عورتوں سب نے جنگ، قتل و غارت اور ظلم کے لیے اپنے آپ کو مکمل طور پر سپا ہی بنا دیا۔ اس لیے ان کے خلاف ہر قسم کا جانی اور مالی جہاد اور ہر قسم کی قدیم اور جدید جنگی کارروائیاں جائز ہیں۔ ان کے خلاف کسی اکیلے فرد کی لڑائی کو بھی خودکشی نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ اللہ کے راستے میں شہادت ہوگی۔ بشرطیکہ اس کارروائی کا ہدف دشمن کو شکست اس کے دل میں اضطراب خوف اور بے چینی پیدا کرنا ہوتا کہ یہ عمومی جہاد کی تمہید اور اس کا حصہ بن سکے اور اس کی شرط یہ ہے کہ نیت درست ہو، اللہ کی رضا کے حصول کا مقصد اور ملک کو آزاد کرانے کا اور شریعت کو قائم کرنے کا ارادہ ہو۔

سابق قاضی قضاة مکہ شیخ عبداللہ بن حمید کا فتویٰ

مسلمانوں میں سے کسی فرد کا دھماکہ خیز بیلت یا کوئی اور چیز لے کر دشمن کی صفوں میں گھسنا اور دشمن کی زیادہ سے زیادہ ممکنہ تعداد کو قتل کرنے کے لیے اس سے دھماکہ کرنا جبکہ اسے معلوم ہو کہ سب سے پہلے وہ خود مارا جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ کام جائز جہاد کی ایک قسم ہے اور یہ شخص باذن اللہ شہید ہوگا۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کا فتویٰ

جب حربی دشمن مثلاً یہود کے خلاف فدائی کارروائیاں، خودکش حملے یا استشہادی حملے کرنا لازم ہو جائے اور یہ گمان غالب ہو کہ دشمن ایسا کرنے والے کو قتل کر دے گا، اسے اذیتیں دے گا اور یہ کہ یہ کارروائی با اختیار شرعی ارادے کی اجازت سے ہو اور دشمن کو ڈرانے، اسے دہشت زدہ کرنے یا دشمن کے ظلم کو ختم کرنے کے لیے ہو تو اللہ کے حکم سے جائز ہوگی۔ کیونکہ یہ آج کل شرعی ضرورت بن گئی ہے۔ کیونکہ کسی منظم فوج کے ذریعے دشمن کے مقابلے سے مقصود حاصل نہیں ہو رہا جبکہ اس قسم کی دلیرانہ کارروائیاں ظالموں کے ظلم کو روکنے میں بہت اہم تبدیلیوں کا باعث بنی ہیں۔

ڈاکٹر علی محمد الصوا کا فتویٰ

ان حملوں کو خودکش حملے (بمعنی خودکشی) کہنا اور ایسا کرنے اور ان کی مدد کرنے والوں کو دہشت گرد کہنا جہالت یا تجاہل ہے۔ ان حملوں اور حملہ کرنے والوں کے بارے میں پروپیگنڈے کا مقصد واضح ہے کہ اس فعل کو حرام قرار دیا جائے اور ایسا کرنے والوں اور ان کی معاونت کرنے والوں کے تعاقب کی کوئی دلیل پیش کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ظلم اور غصب کو قوت پہنچائی جائے اور اسے قانونی حیثیت دی جائے۔ جاہل یا متجاہل کے حکم کو اس لیے قبول نہیں کیا جاسکتا کہ پہلا حق جانتا نہیں اور دوسرا باطل کی جانبداری کر رہا ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کا فتویٰ

یہ کارروائیاں اللہ کی راہ میں جہاد کی اعلیٰ قسم ہیں۔ یہ وہ شرعی دہشت گردی ہے جس کی جانب قرآن اشارہ کرتا ہے۔ ﴿وواعدوا الہم ما استطعتم من قوۃ..... الخ﴾۔ ان حملوں کو خودکش (بمعنی خودکشی) کہنا غلط اور گمراہ کن ہے۔ کیونکہ یہ فداکارانہ، دلیرانہ اور شہادت جو یا نہ کارروائیاں ہیں۔ خودکش اپنے آپ کو اپنی خاطر قتل کرتا ہے جبکہ استشہادی اپنے آپ کو اپنے دین اور امت کی خاطر قتل کرتا ہے۔ یہ جدید ہتھیار اللہ نے منکبہ اور زور آور کی مزاحمت کے لیے کمزوروں کو عطا فرمایا ہے کہ ایک مجاہد انسانی بم بن کر کسی مخصوص مقام اور وقت پر اللہ اور وطن کے دشمنوں کے درمیان پھٹ پڑتا ہے

یہ لوگ اس دلیر مجاہد کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں جس نے اللہ سے اپنی جان کا سودا کر لیا ہے۔ اسرائیلی معاشرہ فوجی معاشرہ ہے اگر ان کارروائیوں میں کوئی بوڑھا یا بچہ مارا جاتا ہے تو وہ غلطی اور جنگی ضرورت کی بنا پر مارا جاتا ہے اور اصول ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں۔ (۳۶)

گزشتہ بحث میں تو صرف چند راسخ العلم حضرات کی آراء کا تذکرہ ہے جنہوں نے حق اور باطل کو واضح کرنا اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے۔ اگر موضوع کی طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ایسے اہل حق علماء کی ایک بڑی تعداد ہے جو خود کش یا استشہادی حملے کے جواز کے قائل ہیں۔ یہ حملے اتنے کارگر اور پر اثر ہیں کہ اگر ہم اپنے سامنے فلسطین اور اسرائیل کی مثال رکھیں تو ان استشہادی حملوں نے یہودی ریاست کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور ایٹمی اسلحے کو بے کار کر دیا ہے اگر اسرائیلی فوج اسرائیل کے اندر ایک استشہادی یا خود کش حملہ آور کا مقابلہ ایٹم بم سے کرے تو یقیناً یہ خود کشی ہوگی اور اپنے خلاف سزائے موت کا فیصلہ ہوگا۔ اور یہی وہ مشکل ہے جس کا اس ملعون قوم کے پاس جواب نہیں۔ اسی طرح جب عراقی مزاحمت کاروں نے یہ اندازہ کر لیا کہ وہ امریکی فوج کے سامنے صف بندی کر کے خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں کر سکتے تو انہوں نے عراقی نیشنل گارڈز میں شمولیت حاصل کر لی تاکہ دشمن کے قلب میں بیٹھ کر اس پر حملہ کیا جاسکے جس کی تازہ مثال موصل میں پری کرسمس پارٹی کے موقع پر شراب و کباب کی گرم محفل میں خود کش حملہ کر کے چودہ سے زائد امریکی فوجیوں کو واصل جہنم کیا اور یہ ہدف ان عراقی مجاہدین کے لیے اپنے محدود وسائل کو کام میں لاکر یعنی کسی راکٹ حملے میں ایسا کرنا ناممکن تھا۔

خلاصہ کلام

خود کش، جہادی یا استشہادی حملوں کا مظہر یہ ہے کہ محدود وسائل رکھنے والا مجاہد دشمن کی صفوں میں گھس جاتا ہے (خواہ دشمن کی سرزمین یعنی دارالحرب ہو یا اپنی سرزمین یعنی دارالاسلام جس پر وہ دشمن غاصب ہو) اور اپنے جسم کے ساتھ دھماکہ خیز مواد کا بیلٹ باندھ لیتا ہے یا اپنے بیگ یا کسی اور چیز میں کوئی پھنسنے والا مواد، بارود یا بم رکھ کر لے جاتا ہے اور دشمنان دین کی گاڑیوں، طیاروں، عمارتوں یا چھاؤنیوں میں

پہنچ کر اس مواد کو بھک سے اڑا دیتا ہے اور ساتھ ہی خود بھی ابدی جنت کا مستحق بن جاتا ہے۔

ایسے حملوں میں کبھی تو اس کی موت یقینی ہوتی ہے اور کبھی غالب گمان کیونکہ قدرت الہی چاہے تو یقینی موت کے منہ سے نکال کر زندگی بخش دے۔ جیسا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوا یا روزمرہ زندگی میں اس کی کئی مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ چنانچہ ایسے حملہ آور مجاہدین بھی سکتا ہے خواہ خرق عادت ہی کیوں نہ ہو لیکن ان حملوں میں قرب الہی، اسلام کی فتح، دشمن کو زک پہنچانے اور شہادت کی نیت ضروری ہے نہ کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر اور آزمائشوں سے تنگ آ کر ایسا کرے کیونکہ اس صورت میں یہ سراسر خودکشی ہوگی۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت، نہ کشور کشائی

خود کش حملہ آور موت کی محبت کی وجہ سے زندگی سے گلو خلاصی نہیں کرتا بلکہ مرتے دم تک اپنے دین اور وطن کی حفاظت کرتا ہے اور حق کو حق کر دکھانے کی ایک سعی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ صَلَاتِيْ وَنَسْكَى وَ مَحْيَاىِ وَ مَمَاتِىْ لِلّٰہِ﴾ (الانعام/۶۳)

خود کش حملہ آور اپنے عمل سے وہ زبان استعمال کرتا ہے جو بندروں کی نسل سمجھتی ہے اور اس نسل کی تہذیب ہوا اپنے آپ کو متمدن کہلاتی ہے طاقتور کے سوا کسی کو نہیں پہنچانتی۔ غاصب کا غضب جب تک رہے اس کے خون مال اور جان کا کوئی احترام نہیں۔ اپنی موجودہ صورت میں خود کش یا استشہادی حملہ چھٹی صدی کے نصف کے لگ بھگ پیدا ہونے والی دینی بیداری کا ایک سلسلہ ہے جو کرۂ ارض پر پھیلی اسلامی تحریکوں میں ایک نعرے کے شکل اختیار کر گئی کہ

اللہ ہمارا مقصود رسول ہمارے رہنما
قرآن ہمارا دستور شہادت ہماری آرزو

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَلَا تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ/۲۲)

”حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور حق کو جانتے ہوئے اس کو نہ چھپاؤ“

اگر اس فعل کو جائز نہ کہا جائے تو پھر ہم ابو دجانہ کے احد کے دن کے اس فعل کی کیا تاویل کریں گے جس میں انہوں نے دشمن کے تیروں اور نیزوں کو نبی اکرم ﷺ کے دفاع میں اپنے جسم پر روکا اور حضرت علیؓ ہجرت کے وقت نبی اکرم ﷺ کے بستر پر سونے کی کیا توجیہ کریں گے۔ جنگ جمل میں عبداللہ بن زبیرؓ ایک خارجی اشتر نخعی سے گتھم گتھا ہوئے آپ کو محسوس ہوا کہ وہ بھاگ جائے گا تو ساتھیوں سے اپنے اور مالک کے قتل کا کہا مگر آپ کے ساتھی اشتر نخعی کو مالک کے نام سے نہیں جانتے تھے انہوں نے کچھ دیر کر دی تو وہ بھاگ گیا۔ لہذا عبداللہ بن زبیر جیسے اہل علم صحابی ایک خارجی کی خاطر اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں اپنے قتل کو جائز سمجھتے تھے تو اگر ایک مجاہد اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ختم کر کے کئی کفار کو جہنم واصل کر دے تو یہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ ان حملوں کو جائزہ کہنا مقاصد شریعت کا بھی تقاضا ہے۔

ان استشہادی حملوں کے بارے میں ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ایسا حملہ کرنے سے وہاں کے لوگوں پر غاصب کا ظلم و ستم شدت اختیار کر جاتا ہے تو اس اعتراض کو اگر مان لیا جائے تو پھر یہ اعتراض ہر اس جہادی کارروائی پر بھی کیا جاسکتا ہے جس کی وجہ سے دشمن کو کوئی نقصان پہنچے اور وہ اس سے تنگی محسوس کرے۔ زمینی حقائق اس بات پر شاہد ہیں کہ جب بھی کسی نے پسپائی اختیار کی تو اس کے دشمن نے اس کو مزید پسپائی پر مجبور کیا ہے۔

یہودی علماء کو قصد اُقتل کرنا جائز ہے کیونکہ وہ اپنی حکومتوں کو مسلمانوں کو ان کے علاقوں سے نکالنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اس فعل کو ہم دہشت گردی اس لیے نہیں کہہ سکتے کیونکہ دہشت گردی تو زبردستی کوئی ایسی چیز چھیننا ہے جس پر آپ کا کوئی حق نہ ہو اور دوسرے کو اس لیے ڈرانا ہے کہ آپ کسی ایسے کام تک پہنچیں جو آپ کا حق نہیں ہے۔

کسی قدیم عربی شاعر نے کہا ہے

إذ لم يكن إلا الأسنه مركب فما حيلة المضطر إلا ركوبها

”جب نیزوں کے پھلوں کے سوا کوئی سواری نہ ہو تو مجبور شخص کے لیے اس سواری کے بغیر

کوئی چارہ نہیں“ - واللہ اعلم

حوالہ جات

- ۱۔ الجامع الصحیح ، کتاب الامارہ ، حدیث رقم : ۱۸۹۹
- ۲۔ صحیح مسلم بشرح نووی ، ۱۳/۶۹-۷۰
- ۳۔ السیرۃ النبویہ ، ۲/۳۱۰
- ۴۔ الجامع الصحیح ، کتاب المغازی ، حدیث رقم : ۴۰۶۳
- ۵۔ الجامع الاحکام القرآن ، ۲/۲۳۲
- ۶۔ اتمام الوفا فی سیرۃ الخلفاء ، ص ۳۱
- ۷۔ الجہاد فی الاسلام ، ص ۶۳
- ۸۔ الجامع لاحکام القرآن ، ۲/۲۳۳
- ۹۔ ماخوذ از احکام القرآن ، ۱۰/۱۶۵-۱۶۶
- ۱۰۔ مجموع الفتاوی ، ۲۸/۵۳۰
- ۱۱۔ مغنی المحتاج ، ۴/۲۱۹
- ۱۲۔ حاشیہ ابن عابدین ، ۴/۳۰۳ ☆ صحیح مسلم نے حضرت انسؓ سے مروی حدیث کی طرف اشارہ ہے
- ۱۳۔ القاموس المحیط ، ۱/۶۶۶
- ۱۴۔ لسان العرب ، ۱۳/۶۹
- ۱۵۔ Suicide, P-44
- ۱۶۔ الجامع لاحکام القرآن ، ۵/۱۵۷
- ۱۷۔ النساء ، ۴/۲۹
- ۱۸۔ تفسیر القرآن ، ۱۰/۳۳۵-۳۳۶
- ۱۹۔ ماخوذ الجامع الاحکام القرآن ، ۵/۱۵۶-۱۵۷
- ۲۰۔ معارف القرآن (م ش) ، ۲/۳۸۱
- ۲۱۔ الجامع الصحیح ، کتاب الجنائز ، حدیث رقم : ۱۳۶۵
- ۲۲۔ الجامع الصحیح ، کتاب الایمان والندو ، حدیث رقم : ۶۶۵۲

- ٢٣- ماخوذ الجامع الاحكام القرآن، ١٦٥/٥
- ٢٤- البقرة: ١٩٥/٢
- ٢٥- ماخوذ اسباب النزول، بحواله كلمات القرآن الكريم، ص ٣٥-٣٦
- ٢٦- ماخوذ الجامع الاحكام القرآن، ٣٦١/٢
- ٢٧- ماخوذ فتح القدير، ٢١٤/١
- ٢٨- تفهيم القرآن، ١٥٣/١
- ٢٩- الجامع الصحیح، كتاب الجهاد والسير حديث رقم: ١٤٣١
- ٣٠- الجامع الصحیح، كتاب الجهاد والسير، حديث رقم: ١٤٣٢
- ٣١- ماخوذ شرح صحيح مسلم، ٤٣/١٢
- ٣٢- سنن ابوداؤد، حديث رقم: ٣٣٣
- ٣٣- الجامع الصحیح، كتاب المغازی، حديث رقم: ٣٣٣٣
- ٣٤- ماخوذ بحواله العمليات الاستشهادية في الميزان الفقهي، ص ٨٢
- ٣٥- ايضاً، ص ٨٥-٨٦
- ٣٦- ماخوذ بحواله العمليات الاستشهادية في الميزان الفقهي، ص ٩٨-١٠٨

مصادر ومراجع

- ١- القرآن
- ٢- البخاري، ابو عبد الله محمد بن اسماعيل، الجامع الصحیح، دار احياء التراث العربي، بيروت لبنان، ١٤١٥ هـ
- ٣- تکروری، نواف هائل، العمليات الاستشهادية في الميزان الفقهي، دار الفكر، دمشق، ١٩٩٧ء
- ٤- ابن تيميه، مجموع الفتاوى، الرئاسة العامة لشئون الحرمين الشريفين، الرياض،

٥. الخضرى ، محمد ، اتمام الوفا فى سيرة الخلفاء ، دار الكتب العلميه ، ١٩٨٣ء
٦. خطيب شربيني ، محمد ، مغنى المحتاج إلى معرفة معانى ألفاظ المنهاج ، دار الفكر ،
س ن
٧. ابو داؤد ، سليمان بن اشعث الازدى ، كتاب المراسيل ، دار الجيل ، بيروت لبنان ،
٥١٤١٢هـ
٨. السرخسى ، شمس الدين ، المبسوط ، دار الفكر ، ١٩٨٩ء
٩. شفيح ، محمد مفتى ، معارف القرآن ، فريد بك ڈپو دهلى ، ٦ ، ١٩٩٨ء
١٠. الشوكانى ، محمد بن على بن محمد ، فتح القدير ، دار احياء التراث العربى ، بيروت
لبنان ، ١٩٩٨ء
١١. ابن غابدين ، محمد امين الشهير ، حاشيه ابن غابدين ، دار الفكر ، ١٩٩٥ء
١٢. عسقلانى ، احمد بن حجر ، فتح البارى بشرح صحيح البخارى ، دار الفكر ، ١٩٩١ء
١٣. ابن العربى ، ابو بكر بن عبدالله ، احكام القران ، دار لفكر ، س ن
١٤. فيروز آبادى ، مجد الدين محمد بن يعقوب ، دار احياء التراث العربى ، بيروت لبنان ، ١٩٩٧ء
١٥. القرطبي ، ابو عبدالله محمد بن احمد ، الجامع الاحكام القرآن ، دار الكتب العلميه ،
بيروت لبنان ، س ن
١٦. ابن كثير عماد الدين ابو الفداء ، تاريخ ابن كثير ، دار احياء التراث
العربى ، بيروت لبنان ، س ن
١٧. مسلم بن الحجاج ، القشيري ، الجامع الصحيح ، دار احياء التراث العربى ، بيروت
لبنان ، ١٤١٥هـ
١٨. ابن منظور ، افريقى ، علامه ، لسان العرب ، دار احياء التراث العربى ، بيروت
لبنان ، ١٩٨٨ء
١٩. مودودى ، ابو الاعلى ، سيد ، تفهيم القرآن ، مكتبه تعمير انسانيت ، لاهور ، ١٩٧٩ء
٢٠. ايضاً ، الجهاد فى الاسلام ، اداره ترجمان القرآن ، لاهور ، ٢٠٠٢ء
٢١. النووى ، شرف الدين ، شرح مسلم ، دار الكتب العلميه ، بيروت لبنان ، ١٩٩٥ء

٢٢ . الواحدي ، ابوالحسن علي بن احمد ، اسباب النزول بكلمات القرآن ، (حسين مخلوف)

دار الفجر الاسلامي ، دمشق ، س ن

Durkheim, Emile, Suicide (Translated by: J.A. Spaulding And George Simpson), The Free Press A division of Macmillan Publishing Company, Inc 1966, New York.



